نرناری: ایک تجزیہ

ڈاکٹر اسلم جمشید پوری

شعبۂ اردو، چودھری چرن سنگھ یونیورسٹی، میرٹھ، موبائل:09456259850

''اسے وہ راجکماری یاد آجاتی ہے جو ایک دشٹ راکشس کی قید میں تھی۔ روز راکشس صبح ہونے پر سرہانے کی چھڑیاں پائینتی رکھتا۔ پائینتی کی چھڑیاں سرہانے رکھتا۔ پھر راج کماری کی گردن مارتا اور اس کا سر چھینکے پہ رکھ باہر نکل جاتا۔ دن بھر راج کماری کا دھڑ مسہری پر پڑا رہتا، سر چھینکے پہ رکھا رہتا، اس سے بوند بوند خون ٹپکتا رہتا۔ شام پڑے راکشس چلاتا دھاڑتا آتا۔ پائینتی کی چھڑیاں سرہانے رکھتا، سرہانے کی چھڑیاں پائینتی رکھتا، چھینکے سے سر اتار کر دھڑ سے جوڑتا اور راج کماری جی اٹھتی۔ راج کماری کتنے دکھ میں تھی کہ روز صبح کو اس کا سر دھڑ سے کاٹا جاتا۔ روز شام کو سر دھڑ سے جوڑا جاتا۔ پر وہ سوچتا کہ راج کماری کو ایک سکھ تو تھا کہ سر بھی اپنا تھا اور دھڑ بھی اپنا تھا۔'' (نرناری، ۲۳)

درجِ بالا سطریں انتظار حسین کی مشہور کہانی ''نرناری'' کی ہیں جس میں ایک راج کماری کا حال مذکور ہے۔ جسے روز شام کو سر، دھڑ جوڑ کر زندہ کیا جاتا تھا۔ نرناری میں یہ قصہ تمثیل کے طور پر بیان ہوا ہے جو اصل قصے کی شدت کو مزید صیقل کرتا ہے۔ انتظار حسین کی افسانہ نگاری کا ایک خاص وصف اساطیر ہے۔ مذہبی قصے اور واقعات سے کہانی بننے کا ہنر بھی انتظار حسین کو بخوبی آتا ہے جو انہیں دوسروں سے مختلف کرتا ہے۔ نرناری ان کی ایسی ہی صلاحیتوں کا مظہر، ایک منفرد افسانہ ہے۔ افسانے میں نفسیاتی کشمکش ہے جو نہ صرف کہانی کے مرکزی کردار مدن سندری اور دھاول کو ایک عجیب سے دوراہے پر لا کھڑا کرتی ہے بلکہ قاری کی ذہنی الجھن بھی بڑھا دیتی ہے۔ سر اور دھڑ کے ہیر پھیر میں شوہر اور بھائی کے جسموں کے چکر میں ایک ایسا بھنور سامنے آتا ہے کہ پہلے بیوی مدن سندری اس میں پھنستی ہے۔ وہ جب اپنے شوہر دھاول کی بانہوں میں جاتی ہے تو اسے احساس کا بچھو ڈنک مارتا ہے اور وہ دھاول کی بانہوں سے دور ہو جاتی ہے:

''مدن سندری وسوسے میں پڑ گئی۔ کیا یہ وہی بدن نہیں جس سے روز رات کو لگ کر وہ سویا کرتی تھی۔ پھر اتنا انجانا پن کیوں۔ اپنے وسوسے سے وہ بہت لڑی۔ اپنے آپ کو وہ دیر تک روکتی رہی۔ پر ایک دفعہ بے قابو ہو کر بول پڑی۔ ''یہ تو نہیں ہے۔'' اور اس کی بانہوں سے نکل کر اٹھ بیٹھی۔ دھاول حیران کہ مدن سندری کو کیا ہو گیا۔ ''کیا کہہ رہی ہے تو یہ میں نہیں ہوں۔'' ''نہیں یہ تو نہیں ہے۔ زبان ایک دفعہ کھلی تو بس کھل گئی۔ سندری ہوش کی دوا لے۔ میں اگر میں نہیں ہوں تو پھر کون ہوں؟ یہ کہتے ہوئے دھاول اٹھا۔ چراغ جلایا۔ چراغ ہاتھ میں لے مدن سندری کے پاس بیٹھا اور بولا ''لے دیکھ لے۔ بول یہ میں نہیں ہوں۔'' مدن سندری نے چراغ کی روشنی میں پتی کو دیکھا اور ایسے بولی جیسے اپنے کہے پر شرمندہ ہو ''ہاں ہے تو یہ تو ہی۔'' (ص:۱۶)

مدن سندری کے اندر اٹھنے والا تذبذب کا طوفان اسے جھنجھوڑ کر رکھ دیتا ہے۔ جب دھاول کے ساتھ لیٹتی ہے اور اس کی بانہوں کے حصار میں قید ہوتی ہے تو سوچنے لگتی ہے کہ یہ بازو تو اس کے بھائی کے ہیں اور پھر اسے خود کے ذریعے کی گئی اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے جب وہ اپنے شوہر اور بھائی کے کٹے سر اور دھڑ کو، دیوی کے حکم کے بعد، زیادہ خوش ہوتے ہوئے جلد بازی میں الٹا جوڑ دیتی ہے۔ یعنی بھائی کا دھڑ، شوہر کے سر اور شوہر کا دھڑ بھائی کے سر جوڑ دیتی ہے۔ اس سے قبل کہ وہ اپنی غلطی سدھار پاتی، وہ دونوں زندہ ہو اٹھے تھے۔ دونوں کے زندہ ہوتے ہی وہ اپنا غم بھول کر، خوشی سے بے قابو ہو جاتی ہے اور سب کچھ بھول جاتی ہے، لیکن دھاول کے ساتھ لیٹنے پر اس کا احساس زندہ ہو جاتا ہے۔ مدن سندری کا تذبذب، شوہر کے سمجھانے پر بھی کم نہیں ہوتا، لیکن کسی طرح سندری اس تصور کو جھٹک دیتی ہے تو پھر احساس کا یہ عفریت شوہر یعنی دھاول پر سوار ہو جاتا ہے۔ اب اس کے احساس پر خود کی Identy کا مسئلہ سوار ہو جاتا ہے:

''دھاول دبدا میں پڑ گیا۔ اپنے انگ انگ کو دیکھا، ایک بار، دو

بار، بار بار، ہے رام۔ کیا یہ میں ہی ہوں۔ پھر وہم کی ایک اور لہر اٹھی۔ ایک میں ہی ہوں، یا کوئی دوسرا مجھ میں آن جڑا ہے۔ دوسرا مجھ میں آن جڑا ہے۔ یا میں دوسرے میں جا جڑا ہوں۔ تو میں اب سارا میں نہیں ہوں۔ تھوڑا میں، تھوڑا وہ۔ آدھا تیتر، آدھا بٹیر، نہیں اس نے کہا، وہم میں بہہ چلا تھا۔ اپنے آپ کو تھا ما، نہیں ایسا کیسے ہوسکتا ہے۔ یہ تو انہونی بات ہے۔ مدن سندری نے کہا اور تو نے مان لیا۔ خیر مدن سندری کی بات تو یہ ہے کہ اس بے چاری نے اپنے دو پیاروں کے سر اور دھڑ الگ الگ پڑے دیکھے۔ اس سے اس کا دماغ چل بچل ہو گیا ہے۔ پر مورکھ تجھے کیا ہوا۔'' (ص:۲۰)

دونوں مرکزی کردار، میاں، بیوی، ایک دوسرے کی ضرورت، ایک دوسرے کے چپے چپے سے واقف، ایک دوسرے کے ہمراز، جنم جنم کا ساتھ نبھانے والے، ایک دوسرے پر آنکھ موند کر بھروسہ اور اعتماد کرنے والے۔ ایک جان دو قالب.... ایسے میں یہ کیا ہو گیا؟ کہ دونوں کے ذہن و دل میں عجیب و غریب خیالات امڈ آئے۔ بیوی جو سر دھڑ کے بدلے جانے کی نہ صرف عینی شاہد ہے بلکہ اس عمل کی فاعل اور مرتکب ہے۔ سوالات، بے یقینی، بے اعتمادی، شک و شبہے کی شروعات اسی کی طرف سے ہوتی ہے۔ یہ کیا ہے؟ کیا یہ عورت کا حد سے زیادہ خوف اور ڈر ہے یا اس کے اندر کا احساسِ عدم تحفظ؟ یا پھر حد سے زیادہ حساس طبع ہونا۔ افسانہ نگار نے ایک نسائی کردار کے اندر کی نفسیات کو مہارت سے قلم بند کیا ہے، لیکن یہ کیا کہ شوہر یعنی مرد بھی ایسی ہی حالت کا شکار ہے۔ یہ کیا ظاہر کرتا ہے؟ کیا مرد کو بھی عدم تحفظ کا احساس ہے؟ یا پھر مرد کی شناخت کا مسئلہ ہے؟ پورے مرد سماج کی I Denty Crises کی بات ہے۔ یا پھر ظاہر سے باطن تک شخصیت کے بکھراؤ کا سفر ہے۔ میاں بیوی دونوں کا یکے بعد دیگرے اس ایک جیسے احساس یعنی شناخت کے مسئلے سے دوچار ہونا، تذبذب کی کیفیت اور اس کیفیت میں احساس میں آنے والی تبدیلی کو انتظار حسین نے خوبصورتی سے قلم بند کیا ہے۔ دونوں کردار کی حالت میں ذرا سا فرق ہے۔ بیوی تو سر دھڑ کے ہیر پھیر میں ہم بستر ہونے والے دھاول کو پورے طور پر قبول کرنے میں تردد کا شکار ہے جب کہ بیوی کے اس رویے پر شوہر کے اندر جو احساس جاگتا ہے وہ اسے خود پر غور کرنے کی طرف مائل کرتا ہے۔ وہ اپنی شناخت کو اپنی جسمانی ساخت اور بیوی کے بتائے واقعے سے جوڑ کر دیکھتا ہے اور بے شناختگی کا شکار ہو جاتا ہے۔ احساس تذبذب اور بے اعتمادی نے دونوں کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی ہے۔ دونوں آج بھی ایک دوسرے کے ہیں۔ ایک دوسرے کو چاہتے ہیں، لیکن ایک گانٹھ ہے جو دونوں کے درمیان آ گئی ہے۔ ایک گتھی ہے کہ سلجھنے کا نام نہیں لیتی۔ بالآخر دونوں جنگل کی طرف نکل جاتے ہیں اور ان کی ملاقات مہارشی دیوانند سے ہوتی ہے۔ وہ اپنا مسئلہ ان کے سامنے رکھتے ہیں تو مہارشی کا مشورہ ان کی زندگی بدل دیتا ہے:

''رشی جی نے دھاول کو گھور کے دیکھا۔ بولے ''مورکھ کس دبدا میں پڑ گیا۔ سو باتوں کی ایک بات۔ تو نر ہے۔ مدن سندری ناری ہے۔ جا اپنا کام کر۔'' جیسے دھاول کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا تھا کہ ایک دم سے اٹھ گیا۔ رشی جی کے چرن چھوئے اور مدن سندری کا ہاتھ پکڑ کر واپس ہو لیا۔''

رشی کی بات سمجھ میں آنے کے بعد دونوں ایک دوسرے کی طرف پہلے سے بھی زیادہ شدت اور محبت سے بڑھ جاتے ہیں۔ رشی نے ایسا کیا کہا؟ یہی نا کہ تم کن چکروں میں پڑ گئے۔ تم نر ہو اور وہ ناری، دونوں ایک دوسرے کے لیے ہیں۔ رشی کے یہ جملے بتاتے ہیں کہ دنیا میں ہر شے کا ایک استعمال ہے اور ہر جوڑے میں ایک رشتہ ہے۔ ایک فاعل اور دوسرا مفعول ہے اور اسی سے یہ دنیا کا کاروبار صدیوں کا سفر طے کرتا ہوا ہم تک پہنچا ہے۔ یعنی شناخت کے مسئلے کو دراصل صحیح طور پر سمجھا ہی نہیں جا رہا ہے۔ ہم اسے چھوٹی چھوٹی اکائی میں منقسم کر کے مسئلہ کھڑا کر رہے ہیں جب کہ اسے ایک بڑی اکائی، بڑا گروہ اور بڑے دائرے میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔ یہاں ایک بات اور سامنے آتی ہے کہ مدن سندری اور دھاول کی شناخت کا مسئلہ اور اس کے حل ہو جانے کے واقعات کیا صرف کہانی کے ضمنی یا مرکزی واقعات ہیں یا یہ اپنا علامتی اور استعاراتی نظام بھی رکھتے ہیں۔ انتظار حسین اس سے کیا مراد لیتے ہیں۔ اس سلسلے میں پروفیسر گوپی چند نارنگ کی تحریر کچھ الگ اشارے کرتی ہے:

''یہ نر ناری ہی کا رشتہ نہیں۔ جو رشتہ نر ناری میں ہے وہ رشتہ فرد اور معاشرے میں بھی ہے۔ نیز وہی رشتہ ثقافت اور زمین میں بھی ہے۔ ایک کا مقدر بھوگنا ہے دوسرے کا بھوگنے کے لیے خود کو فراہم کرنا ہے۔ کئی دوسرے معنوی ساختیے بھی کہانی میں کارفرما ہو سکتے ہیں، یعنی ہجرت کی نوعیت بھی ایک اصل کے دوسرے اصل میں لڑنے کی ہوتی ہے اور ثقافت کی تشخیص کا عمل جاری رہتا ہے۔ نیز خود ثقافتوں میں بھی آسمانی اور زمینی قدروں کے بیچ میں پیوند کاری ہوتی ہے اور تاریخ کے مختلف لمحوں میں یہ اختلاف نئے نئے سوال پیدا کرتا ہے اور نئی ثقافتوں سے نئے ہم

آہنگیوں کے نئے سلسلے پیدا ہوتے ہیں۔''

(ترقی پسندی، جدیدیت، مابعد جدیدیت،
گوپی چند نارنگ، ص: ۳۰۔۵۲۹)

پروفیسر نارنگ نر ناری کے رشتے کو مختلف شکلوں میں دیکھتے ہیں اور سر، دھڑ کے جڑنے اور علامتی طور پر ہجرت سے بھی جوڑ کر دیکھتے ہیں کہ اصل کا انتشار اور پھر ایک دوسرے سے جڑنے کا عمل بھی ایسا ہی رشتہ ہے۔ان کا اشارہ ہندوستان اور پاکستان کی تقسیم کے دوران ہوئے ہجرت کے عمل کی طرف ہے۔ جو لوگ ہجرت کر کے گئے وہ دراصل اپنی اصل سے جا جڑے۔

'نر ناری' انتظار حسین کی ایک بہت الجھی ہوئی کہانی ہے۔ کیا یہ صرف مرد اور عورت کی شناخت کے مسئلے کو پیش کرتی ہے؟ کیا استعاراتی طور پر کہانی دنیا میں موجود ہر جوڑے کے ایک دوسرے کی ضرورت کو سامنے لاتی ہے۔ کیا اس میں ہجرت کے عناصر دکھائی دیتے ہیں؟ کیا یہ کہانی صرف تصوراتی اور تخیلاتی کمال کا نتیجہ ہے؟ سندری اور دھاول کیا ایک مخصوص عہد کے مرد عورت ہیں؟ ایسا نہیں ہے۔ دراصل یہ کہانی متعدد قرأت کی متقاضی ہے۔ ہر قرأت آپ کو نئے جہاں سے روشناس کرائے گی۔ یہ ازل سے ابد تک کے انسان کی کہانی ہے۔ مرد اور عورت کی تلاش کی کہانی ہے۔ ہر عہد کے انسان کی شناخت کا مسئلہ ہے یہ۔ اس میں ہجرت ہے تو علاقائیت اور چھوٹی چھوٹی اکائیوں کی پہچان کے زیادہ واضح ہونے اور بڑی رکاوٹوں کی تقسیم کا معاملہ بھی ہے۔

نر اور ناری صرف مرد اور عورت یا میاں بیوی نہیں ہیں بلکہ کائنات کی ہر اس شے کی علامت ہے جو ایک دوسرے پر منحصر کرتی ہے۔ زمین اور آسمان، ندی اور پانی، رات اور دن، بادل اور بارش، کھیت اور بیج، پھول اور پھنورا، روشنی اور تیرگی، حاکم اور محکوم کی طرح ہی لازم و ملزوم ہیں۔ یعنی ایک دوسرے کی ضد بھی اور لازمی بھی۔ ایک فاعل تو دوسرا مفعول۔ ان دونوں کو کسی بھی نام پر، وسوسوں، تذبذب اور کشمکش میں مبتلا کر کے الگ کرنا ایک غیر فطری عمل ہے اور جب فطرت سے کھلواڑ ہوگا تو نتائج انتہائی خراب ہوں گے۔ انتظار حسین نے رشی کے کردار سے ان دو فاعل و مفعول کو صحیح سمت دکھا کر ایک بڑی تباہی اور بربادی سے نہ صرف بچا لیا بلکہ دنیا کے جاری و ساری رہنے کے جواز پر بھی مہر ثبت کی ہے۔''

''آنکھوں سے پردہ اٹھ چکا تھا۔ بیچ جنگل سے گزرتے گزرتے دھاول نے مدن سندری کو ایسا دیکھا جیسے جگوں پہلے پرجاپتی نے اوشا کو دیکھا تھا اور مدن سندری دھاول کی ان لالسا بھری نظروں کو دیکھ کر ایسے بھڑکی جیسے اوشا پر جاپتی کی آنکھوں میں لالسا دیکھ کر بھڑکی تھی کہ بھڑک کر بھاگی پھر پسپا ہوئی۔''

○○

قلمکاروں سے گزارش

- ہمیں آپ کی گراں قدر نگارشات کا بہت بڑا ذخیرہ بذریعہ ڈاک وای۔میل موصول ہوتا ہے جس میں زیادہ تر مضامین، شاعری اور افسانے/کہانیاں ہوتی ہیں، وقت کی کمی کے باعث سب کا جواب دینا یا نگارشات واپس کرنا ممکن نہیں ہوتا، اس کو آپ ہماری بے رخی پر محمول نہ کریں بلکہ ہماری مجبوری سمجھیں۔ اگر تین ماہ کے اندر آپ کی تخلیق شائع نہ ہو یا اشاعت کے بارے میں اطلاع نہ ہو تو اس کا مطلب ہے کہ ادارہ اس کی اشاعت سے قاصر ہے۔
- قلمکاروں سے ایک گزارش اور ہے کہ وہ اپنی تخلیقات کے ساتھ اپنے بینک اکاؤنٹ کی تفصیلات جن میں بینک اکاؤنٹ میں درج نام، اکاؤنٹ نمبر، بینک کا نام اور برانچ اور بینک IFSC کوڈ جو پاس بک اور چیک پر درج ہوتا ہے ضرور بھیجیں تا کہ تحریر شائع ہو جانے پر اعزازیہ بینک کے ذریعہ ٹرانسفر کیا جا سکے۔
- قلمکاروں سے ایک گزارش اور ہے کہ بذریعہ ای۔میل اپنی تخلیقات بھیجنے سے قبل اپنی تخلیقات کو ایک بار ضرور پڑھ لیں تا کہ اس میں پروف کی غلطیاں کم سے کم رہیں۔

—ادارہ